# حضرت حکیم الامتؒ سے ایک ملاقات

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

اگست 1938ء حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھنؤ تشریف لائے اور اپنے قدیم مسترشد اور مجاز صحبت مولوی محمد حسن کاکوروی (مالک انوار المطابع اور نبیرہ مولانا محسن کاکوروی) کے مکان پر قیام فرمایا..... علاج شفاء الملک حکیم عبدالحمید (جھوائی ٹولہ) لکھنؤ کا تھا..... قیام پورے چالیس دن رہا..... وہ مدت جس کو یوں بھی سلوک وتربیت اور خانقاہوں کے نظام سے خاص مناسبت ہے..... ظہر اور عصر کے درمیان مخصوص لوگوں کو حاضری کی اجازت تھی.....

ضابطہ یہ تھا کہ یا تو مولانا ذاتی طور پر آنے والوں سے واقف ہوں یا حاضرین مجلس میں سے کوئی معتبر آدمی اس سے واقف ہو..... تاکہ کوئی نامناسب اور اذیت پہنچانے والی بات پیش نہ آئے..... مولانا کی اس غیر متوقع آمد کی خبر تمام احتیاطوں کے باوجود بجلی کی طرح تمام اطراف واکناف بالخصوص مشرقی اضلاع میں پہنچ گئی..... جو مدت دراز سے آپ کی آمد سے محروم ومایوس تھے..... خاص ضوابط وشرائط کے ساتھ اہل تعلق کو آنے کی اجازت دی گئی اور خلفاء ومسترشدین کلکتہ سے، امرتسر ولاہور تک کے مختلف وقتوں میں حاضر ہوتے رہے..... عمائدین شہر کی بھی ایک تعداد زیارت سے مشرف اور مجالس سے مستفید ہوئی..... ان میں علماء فرنگی محل، اساتذہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور شہر کے دینی ذوق رکھنے والے رؤساء وعمائد بھی تھے..... مولانا عصر کی نماز مسجد خواص میں جو آپ کی تشریف آوری اور روزانہ کی مجالس کی وجہ سے حقیقی معنی میں مجلس خواص بن گئی تھی، ادا فرماتے تھے۔ نماز کے بعد مسجد کے شمال مغربی گوشہ میں مجلس ہوتی مولانا خطوط کے جوابات بھی دیتے رہتے اور لوگوں سے مخاطب بھی ہوتے.....

اس مجلس میں سلوک وتصوف کے نکات، اصلاح وعملی تحقیقات اور بزرگوں کے حالات وواقعات ارشاد فرماتے..... بزرگوں کے واقعات بیان کرتے وقت خاص کیف واثر محسوس ہوتا اس وقت چیدہ چیدہ لوگ ہوتے اور مولانا کو

بھی بڑا انبساط وانشراح ہوتا..... بھائی صاحب مرحوم اس مجلس میں نیز عصر سے پیشتر کی مجلس میں جو قیام گاہ پر ہوتی بڑی پابندی سے شرکت کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی طالب علم مدرسہ میں حاضری کی پابندی کر رہا ہے۔ مولانا بھی خصوصی شفقت والتفات فرماتے..... علاج کے بارے میں بھی کبھی کبھی مشورہ میں شرکت کرتے۔ یہ ناچیز بھی تقریباً روزانہ ہی بھائی صاحب کے ساتھ حاضری دیتا..... اس عاجز کی طرف مولانا کی خصوصی توجہ کا ایک محرک یہ پیدا ہوا کہ اسی زمانہ میں "القول المنثور" کی طباعت ہو رہی تھی، جو اصلاً مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے لیکن اس میں مولانا کی تحقیقات واضافے بھی ہیں۔ مولانا کو اس کی طباعت واشاعت کا بڑا اہتمام تھا..... اس میں بکثرت طویل عربی کی عبارتیں بھی آئی ہیں..... خدا وصل صاحب صاحب بلگرامی کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس کی تصحیح کا کام میرے سپرد کر دیا..... مجھے اس میں جہاں اشکال ومراجعت کی ضرورت پیش آتی عصر کے پیشتر کی مجلس میں مولانا کے سامنے پیش کرتا اور مولانا اس کو حل فرما دیتے۔ اس دوران قیام میں 15 ستمبر 1938ء کو اچانک بھائی صاحب سے ان کے مکان پر آنے کی خواہش کا اظہار فرمایا..... اس سے زیادہ عزت ومسرت کی بات کیا ہو سکتی تھی..... مولانا رفقاء وخدام کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ مکان پر تشریف لائے..... دیر تک سرفراز فرمایا حضرت حاجی صاحب اور بزرگوں کے حالات کا سلسلہ وہاں بھی شروع ہو گیا..... تین برس کے بعد دوبارہ اگست 1941ء میں پھر لکھنؤ تشریف آوری ہوئی..... اس مرتبہ بھی ایک مہینہ سے کچھ زیادہ قیام رہا..... تقریباً وہی معمولات ونظام الاوقات رہا..... اس طرح پھر ان روح پرور اور پر کیف مجالس میں شرکت اور استفادہ کا موقع ملا۔

**علی میاں کی تھانہ بھون میں حاضری اور ملاقات:**..... بالآخر وہ دن بھی آ گیا کہ تھانہ بھون میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی اور جس جگہ کے قصے آنے جانے والوں سے برسوں سے سننے میں آ رہے تھے، اس کو بچشم خود دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ کہتے ہیں کہ پھول شاخ گل پر اور چمن کے اندر ہی اپنی صحیح شکل وصورت میں نظر آتا ہے..... غالباً 1942ء اور مئی یا جون کا مہینہ تھا، اتنا یاد ہے کہ خوب گرمی تھی اور لو چل رہی تھی میں مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کی ہمرکابی میں چھوٹی لائن پر سفر کر رہا تھا..... جو شاہدرہ سے سہارنپور تک جاتی تھی اور جس میں وہ سب مقامات وقصبات پڑتے تھے جن سے بزرگان دیوبند کی تاریخ وابستہ ہے..... یعنی کاندھلہ، تھانہ بھون، نانوتہ اور رام پور مینہاران اچھی طرح یاد نہیں کہ پہلے سے قصد تھا یا اثنائے سفر میں یہ خیال ہوا کہ تھانہ بھون بھی حاضری دی جائے..... نظام کچھ ایسا تھا کہ کاندھلہ مولانا کے ساتھ قیام کر کے جوان کا وطن تھا، رام پور مینہاران جانا تھا..... تھانہ بھون، کاندھلہ اور رام پور کے درمیان واقع ہے۔ میں نے مولانا سے اجازت لی کہ میں ایک روز پیشتر کاندھلہ سے روانہ ہو جاؤں اور چوبیس گھنٹے تھانہ بھون قیام کر کے اسی گاڑی پر سوار ہو جاؤں جس سے مولانا رام پور تشریف لے جائیں گے..... مولانا خود تھانہ بھون کے عقیدت مندوں میں تھے اور

مولانا تھانویؒ کو اپنے مشائخ کی صف ہی میں سمجھتے تھے..... یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بڑی بشاشت ومسرت کے ساتھ اجازت دی۔

تھانہ بھون کے ایک صاحب تعلق تھانہ بھون جارہے تھے میں نے اپنی آمد کی اطلاع کا خط لکھ کران کے حوالہ کرنا چاہا کہ وہ خود پیش کردیں، انہوں نے کہا کہ یہ ضابطہ کے خلاف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اس کو پوسٹ بکس میں ڈال دیں۔ انہوں نے اس کو منظور کیا..... میں ایک روز کاندھلہ ٹھہر کر تھانہ بھون روانہ ہوا۔ ٹھیک دوپہر کو گاڑی تھانہ بھون پہنچتی تھی۔ خانقاہ امدادیہ کا اسٹیشن سے کچھ زیادہ فاصلہ نہیں..... میں ایک حمال کو ساتھ لے کر پیدل خانقاہ پہنچ گیا..... تھانہ بھون کے قواعد وضوابط اور آداب کے متعلق اتنا سن رکھا تھا اور دارو گیر اور احتساب کے واقعات بھی اتنے کان میں پڑ چکے تھے کہ ڈرتے ڈرتے خانقاہ میں قدم رکھا..... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک طالب علم مدرسہ میں داخل ہورہا ہے، گرمی اور دوپہر کی وجہ سے وہاں سناٹا تھا..... مقیمین خانقاہ اپنے اپنے حجروں میں آرام کررہے تھے..... میں ایک طرف سامان رکھ کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر کے بعد ظہر کی اذان ہوئی، مولانا تشریف لائے، وضو فرمایا..... میں نے اس وقت اپنا تعارف مناسب نہیں سمجھا۔ ظہر کی نماز کے بعد مسجد کی اس سہ دری میں جو جانب جنوب واقع ہے اور مولانا کی نشست گاہ رہتی تھی، مجلس شروع ہوئی..... چید چیدہ حضرات اور خواص تھے، جن میں خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کو میں پہچانتا تھا۔ میں بھی حاضر ہوا اور کنارے بیٹھ گیا..... سہ دری میں قدم رکھتے ہی میری نظر اس ڈیسک پر پڑی جو مولانا کے سامنے تھی اور جس پر خطوط اور لکھنے پڑھنے کا سامان رکھا ہوا تھا..... انہی کاغذات میں اور سامان میں سیرت سید احمد شہید جس کو چھپے ہوئے تین سال سے زائد ہو چکے تھے، سامنے رکھی تھی..... معلوم نہیں مولانا نے میری دل جوئی اور مجھے مانوس کرنے کے لیے اس کو اسی دن نکالا تھا یا وہ عام طور پر اسی جگہ رکھی رہتی تھی..... اس کو دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا گویا ایک نہایت عزیز دوست میرے تعارف اور تقریب کے لیے موجود ہے..... اس کی موجودگی سے اجنبیت کے احساس میں بڑی کمی ہوئی۔

مولانا خطوط کے جواب دینے میں مصروف تھے..... چند منٹ کے بعد خواجہ صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا خواجہ صاحب! ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے بھائی آنے والے تھے آئے نہیں؟ اب میں نے خاموش رہنا نامناسب سمجھا..... آگے بڑھا اور عرض کیا کہ میں حاضر ہوں..... فرمایا کہ آپ نے بتایا نہیں، آیئے، مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا..... میں نے عرض کیا حضرت کے حرج کے خیال سے عرض نہیں کیا۔ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کیا حرج ہوتا کہ مجھے آپ کی آمد کا علم نہ ہوتا..... خجلت ہوتی..... ندامت ہوتی..... افسوس ہوتا..... مکرر کئی لفظ فرمائے..... سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ فرمائی کہ میں نے تو آج آپ کی وجہ سے خطوں کا بہت سا کام پہلے کرلیا تھا تاکہ آپ سے اطمینان سے باتیں کرنے کا موقع ملے۔ یہ گویا حضرت کی طرف سے انتہائی رعایت اور اعزاز تھا..... جو اس نوعمر وگمنام آنے والے کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا..... پھر مزاج پرسی کے بعد بڑی شفقت سے فرمایا کہ کوئی اور

رفیق تو ساتھ نہیں؟ کھانے میں کیا معمول ہے۔کوئی پرہیز تو نہیں.....اس سے اندازہ ہوا کہ حضرت اپنا ہی مہمان رکھیں گے۔یہ بھی عام روایات اور تجربات کے خلاف تھا اور مہمان کے ساتھ بڑی خصوصیت وشفقت.....میرے عرض کرنے پر کہ کوئی پرہیز نہیں ہے،معذرت فرمائی کہ میں آج کل طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے ساتھ نہیں کھاسکوں گا۔اس کا کچھ خیال نہ فرمائیں.....پھر فرمایا کہ قیام کتنا رہے گا؟ میں نے عرض کیا کہ اگلے روز دوپہر کو جانا ہے۔فرمایا: بس اتنا مختصر قیام، پھر فرمایا کہ میں اپنے دوستوں سے زیادہ قیام کے لیے اصرار نہیں کرتا کہ گرانی کا باعث نہ ہو اور شاید جو حضرات اتنا وقت بھی دیتے ہیں،ان کو آنے میں پس وپیش ہو اس کے بعد مجلس گفتگو شروع ہو گئی.....زیادہ تر واقعات خاندان ولی اللہی اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ اسماعیل صاحب کے تھے۔

رات کھانا حضرت کے دولت خانہ سے آیا.....کھانے میں اہتمام اور تنوع تھا.....صبح نماز فجر کے بعد خواجہ صاحب حضرت کا پیغام لائے کہ فلاں وقت میری خصوصیت کا ہے جس میں مخصوص احباب کو شرکت کی اجازت ہے لیکن اگر ضرورت ہو تو میں اس سے بھی الگ وقت دے سکتا ہوں۔میں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی خصوصی بات عرض کرنی نہیں ہے،زیارت واستفادہ کے لیے حاضر ہوا ہوں،اسی خصوصی مجلس میں حاضر ہو جاؤں گا.....تقریباً چاشت کے وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔دو ہی چار حضرات تھے.....ان میں خواجہ عزیز الحسن صاحب مجھے یاد ہیں.....حضرت نے خواجہ صاحب سے فرمایا کہ خواجہ صاحب میرا جال لے آیئے۔خواجہ صاحب تعمیل ارشاد میں اٹھ تو گئے مگر سمجھے نہیں.....آپ نے فرمایا خواجہ صاحب سمجھے کہ میرا جال کیا ہے؟ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نہیں۔فرمایا کہ تسبیح.....یہی ہم لوگوں کا جال ہے.....جس سے ہم لوگوں کو پھانستے ہیں۔

مجلس میں اول سے آخر تک بڑا انبساط رہا.....خشونت تو الگ رہی کسی درجہ کی خشکی اور یبوست بھی کہیں آس پاس نہ تھی.....خندہ جبینی.....شگفتہ بیانی.....زندہ دلی اور نکتہ سنجی مجلس کو باغ وبہار بنا دیتی تھی.....تھانہ بھون کے متعلق جو تصور قائم ہوا تھا۔معلوم ہوا کہ اس میں جہاں تک مولانا کی ذات کا تعلق ہے۔مبالغہ اور غلط فہمی کو دخل ہے۔ضوابط ضرور تھے،مگر استثناءات بھی بکثرت،طالبین اور زیر تربیت اشخاص کے لیے احتساب اور مواخذہ تھا،مگر زائرین اور کبھی کبھی کے آنے والوں کے لیے نیز ان لوگوں کے لیے جن کا تعلق مستقل اصلاح وتربیت کا نہیں تھا.....شفقت ورعایت،یہ بھی اندازہ ہوا کہ خانقاہ کا سارا ماحول حضرت کے مزاج ومذاق اور حضرت کی جامعیت اور حکمت کے سوفی صدی مطابق نہیں تھا اور مولانا کی پوری نمائندگی اور اپنے زبان حال سے ترجمانی نہیں کرتا تھا اور شاید اس شہرت عام میں جو تھانہ بھون کی داروگیر اور رعب وجلال کے متعلق ملک میں پھیلی ہوئی تھی،ان ضابطہ پرستوں کی بے لچک پابندیوں کو بہت دخل تھا.....اپنا ہی تجربہ لکھتا ہوں کہ مولانا کی مجلس سے فارغ ہونے کے بعد گاڑی کے جانے میں بہت دیر تھی.....خالی اور بیکار بیٹھنے کی عادت نہیں طالب علمی کا پرانا مرض خانقاہ میں شمالی حصہ میں ایک مدرسہ بھی

تھا..... ایک عالم کوئی کتاب پڑھا رہے تھے۔ میں بھی جا کر ایک طرف بیٹھ گیا..... مدرس صاحب نے ایک طالب علم کو اشارہ کیا، دیوار پر ایک تختی آویزاں تھی جس پر لکھا تھا کہ جس وقت کوئی استاد سبق پڑھا رہا ہو تو باہر کے آئے ہوئے کوئی صاحب وہاں نہ بیٹھیں۔ وہ تختی لائے اور مجھے دکھائی، میں شرمندہ ہو کر اٹھ گیا..... اسی طرح میں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ کتب خانہ کس وقت کھلے گا؟ انہوں نے بجائے خود جواب دینے کے کہا کہ تختی پر اوقات لکھے ہوئے ہیں، پڑھ لیجیے..... غالباً یہی لفظی پابندی اور ضابطہ پرستی بہت سے اجنبی لوگوں کے لیے وحشت کا سبب بنتی تھی لیکن اس کے برعکس مولانا ان ضوابط پر حاکم تھے، محکوم نہ تھے..... واضع تھے مقلد نہ تھے..... وہ جہاں چاہتے اور جس کے لیے چاہتے ضابطہ کو بالکل بالائے طاق رکھ دیتے اور اسی کو اس وقت کا ضابطہ سمجھتے۔

## غصہ کے جسمانی نقصانات

تحقیق کے مطابق غصے کا آجانا انسان کے بس میں نہیں ہے، لیکن غصے کو قابو میں رکھنا اس کے بس میں ہے۔ ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق روز مرہ کی زندگی میں، خلافِ مزاج باتوں پر غصہ کرتے رہنا، مثلاً، گھر میں کوئی کام مزاج کے خلاف ہو گیا تو غصہ ... ٹریفک جام ہونے کے وقت غصہ ... دفتری امور کی انجام دہی میں ٹینشن اور دوستوں کے ساتھ بحث و تکرار ... انسانی زندگی کے پانچ سے دس سال کم کر دیتی ہے؛ جبکہ غصے کی وجہ سے انسان کئی امراض میں مبتلا ہو سکتا ہے، جن میں ذیابطیس اور دل کی بیماریاں شامل ہیں۔

اسٹاک ہوم کے سائنس دانوں نے طویل تحقیقات کے بعد اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ جتنا زیادہ غصہ کیا جائے گا، ہارٹ اٹیک کے خدشات میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔

ا۔ جرمنی کے ایک میگزین نے ان سائنس دانوں کی ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی ہے، رپورٹ میں بتلایا گیا ہے کہ انسان کو جب غصہ آتا ہے تو اس کا اثر اس کے پورے جسم پر پڑتا ہے۔ خاص طور پر جسم میں تناؤ ہوتا ہے، پورا جسم تشنج اور تناؤ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مٹھیاں بھنچ جاتی ہیں اور دانت کٹکٹانے لگتے ہیں، ان سب باتوں کا اثر دل پر پڑتا ہے، اس کے باعث ہارٹ اٹیک ہونے کے خدشات میں پندرہ فی صد کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

(اسلام اور صحت)